کسبِ خیر سے بخل دور ہو جاتا ہے۔ جو مال خدا کے رستے سے روکا جائے وہ ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم ستمبر 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۖ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ (البقرہ: 196)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ خطبے میں مَیں نے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (آل عمران: 93) کی آیت پر کچھ امور آپ کی خدمت میں پیش کئے تھے یعنی نیکی حقیقت میں وہی نیکی ہے جو محبت کے تعلق میں خرچ کے لئے انسان کو آمادہ کرے۔ وہ نیکی جو محبت کے تعلق میں خرچ پر آمادہ کرے حقیقی نیکی وہی ہے حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ میں بیان کر چکا ہوں کہ جس چیز سے انسان کو محبت ہو وہ خرچ کر ہی نہیں سکتا جب تک جس کے لئے خرچ کرے اس سے زیادہ محبت نہ ہو۔ پس یہ مضمون ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں توجہ دلائی کہ اگر تم محبت چاہتے ہو تو لازم ہے کہ وہ چیزیں میری راہ میں پیش کرو جن سے تمہیں محبت ہو۔ پس جب تم اپنی محبوب چیزیں قربان کرو گے تو میری محبت حاصل کرو گے۔

ایک اور آیت میں اسی محبت کے مضمون کو آخر پر یوں کھولا ہے وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ کہ دیکھو اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور خرچ نہ کر کے اپنی جانوں

کو ہلاکت میں نہ ڈالو کیونکہ تم بہت بڑا نقصان اٹھاتے ہو جب خدا کی راہ میں خرچ سے رک جاتے ہو۔ اتنا نقصان اٹھاتے ہو گویا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ وَاَحۡسِنُوۡا خرچ کرو خدا کی راہ میں اور زیادہ اچھے انداز سے خرچ کرو، اس میں حسن پیدا کرو اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ اور یاد رکھو کہ اللہ یقیناً احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ وہی وعدہ جو محبت کا لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ میں مضمر تھا وہ کھول کر یہاں بیان فرما دیا گیا اور تقابل پہ یہ بات کھول دی کہ خدا کی محبت کے سودے ہی اصل سودے ہیں اور وہ خدا کی راہ میں جب خرچ کرو تو اس کو خوبصورت بنا کے خرچ کرو۔ احسان کے مختلف مواقع پر مختلف معنی ہوتے ہیں نماز میں احسان کا اور معنی ہے اور خرچ کے تعلق میں احسان کا اور معنی ہے۔ خرچ کے تعلق میں احسان کا وہی معنی ہے جو ہم روزمرّہ کی زندگی میں ان کے تعلق میں جن سے ہمیں محبت ہو احسان کے مضمون کو ہمیشہ طبعی طور پر جاری بھی کرتے ہیں، سمجھتے بھی ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ ایک تحفہ انسان جب محبوب کو پیش کرتا ہے تو اس کے اردگرد وہ کاغذ جس میں وہ لپٹا ہوا ہے اس کی درحقیقت تو کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن دن بدن اس کی اہمیت اتنی بڑھتی جارہی ہے اب یہ باقاعدہ ایک سائنس بن چکی ہے کہ تحائف کو کس طرح ایسے خوبصورت لباس میں لپیٹ کے پیش کیا جائے کہ دیکھنے والا اس کو جس طرح لپٹا ہوا ہے، جس طرح پیش ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر خوش ہو جائے کہ اس نے میری خاطر محنت کی اور اب تو اتنے بڑے بڑے پارسلوں میں اتنے چھوٹے چھوٹے تحفے آنے شروع ہو گئے ہیں کہ اس مضمون کو انہوں نے بدل دیا ہے۔ قرآن کا مضمون تو حکمت پر مبنی ہے۔ تحفہ بنیادی مرکزی چیز رہنی چاہئے۔ اردگرد کا لباس احسان کا اظہار کرنے والا ہو کہ تحفے کے ساتھ بہت محبت وابستہ ہے اس لئے اسے سجایا گیا ہے۔

اب جو دنیاداری کے طریق ہیں ان میں سجانے والی چیز زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے اور اندر والی چیز نسبتاً کم اور چھوٹی۔ اس لئے انسان کو اس کا برعکس ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ بہت بڑی کوئی چیز آئی ہے کھولے دیکھے تو اندر سے کوئی چیز خاص نہ نکلے تو ظاہر بات ہے کہ مضمون اپنے مقصد کو کھو دیتا ہے۔ مگر قرآن کریم نے جس رنگ میں توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر تم خدا کی خاطر خرچ نہیں کرتے تو یاد رکھو یہ ایسی بات نہیں کہ نہیں تو نہ سہی، چلو ٹھیک ٹھاک ہے۔ فرماتا ہے اس کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ بیچ کی بات نہیں ہے تم ہلاکت کی طرف جارہے ہو۔ وہی مال جو تم خدا کی راہ میں خرچ کرنے

سے بچاتے ہو وہ تمہاری ہلاکت پر منتج ہوگا۔ اتنا بڑا کھلم کھلا اعلان ہے اور پھر راہ میں خرچ کرنے کی تحریص کی خاطر یہ بیان فرمایا کہ محبت کی خاطر خرچ کرنا چاہتے ہو تو پھر سجا کر پیش کیا کرو۔ ایسے طریق پر پیش کرو کہ تمہاری قربانی میں مزید حسن پیدا ہو جائے اور یاد رکھنا کہ اللہ محسنین سے بہت محبت کرتا ہے۔

اس خرچ کے مقابل پر کچھ دوسرے خرچ بھی قرآن نے بیان فرمائے ہیں لیکن اس سے پہلے چونکہ یہاں مضمون تنبیہ کا چل رہا ہے ایک اور تنبیہ والی آیت میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ ہلاکت کن معنوں میں ہوتی ہے۔ اس کی تشریح قرآن کریم خود بیان فرما رہا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ (البقرہ: 255) اے لوگو جن کو ہم نے دنیا میں رزق عطا فرمایا ہوا ہے۔ اے ایمان لانے والو یاد رکھو کہ اس دن سے پہلے پہلے خرچ کرلو جس دن پھر کوئی سودا نہیں چلے گا۔ تمہیں خرچ کا اختیار اس دنیا میں ہی ہے اس کے بعد کوئی خرچ کا اختیار نہیں رہے گا اور وہ وقت ہر لحہ قریب آ رہا ہے کہ تمہارے اپنے مال سے تصرف کے اختیارات اٹھ جائیں گے اور چھین لئے جائیں گے۔ تو جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو اور مرنے سے پہلے پہلے کرو۔ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ اس میں کوئی سودا نہیں ہوگا وَلَا خُلَّةٌ اور کوئی دوستی بھی کام نہیں آئے گی۔ وَّلَا شَفَاعَةٌ اور کسی قسم کی سفارش نہیں چلے گی وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور کافر لوگ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ یہاں کافر کا ایک اور مفہوم بھی ہے جو اس مضمون سے تعلق رکھتا ہے وہ ہے ناشکرے لوگ۔ وہ لوگ جو ناشکرے ہیں خدا تعالیٰ سے رزق پاتے ہیں پھر اس کی راہوں میں اس کو روک رکھتے ہیں یہاں تک کہ موت آ کر ان کو اپنے مال سے بے تعلق کر دیتی ہے اس پر ان کو کوئی تصرف نہیں رہتا۔ یہی ہیں جنہوں نے ظلم کیا ہے۔ جبکہ موقع تھا کہ اس مال کے نتیجے میں اللہ کی محبت کماتے اور لافانی اجر کے مستحق ہو جاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ابراہیم: 32) یہی مضمون ہے مگر ایک اور رنگ میں خطاب میں ایک بہت ہی پیار کا کلمہ داخل کر کے تحریص فرما دی گئی ہے، تنبیہ کے ساتھ اس خطاب میں ایک تحریص کا پہلو بڑا نمایاں ہے۔ قُلْ لِّعِبَادِيَ میرے بندوں سے کہہ دے جن پہ مجھے اعتماد ہے کہ وہ میرے بندے بن کے دکھائیں گے جو ایمان لائے ہیں۔ يُقِيْمُوا

الصَّلٰوۃَ نماز کو قائم کریں وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ اور خرچ کریں اس سے جو ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً چھپ چھپ کر بھی اور کھلم کھلا بھی۔ یہاں بھی دیکھ لیں مسلسل چھپانے کے مضمون کو پہلے رکھا ہے خرچ میں اور ظاہر کے مضمون کو بعد میں رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر محبت کے خرچ ہیں تو دنیا کی خاطر ہو ہی نہیں سکتے اور ثبوت اس بات کا کہ اللہ کی خاطر ہے یہ ہے کہ صرف اللہ کی نظر میں آئے چیز، کسی اور کی نظر میں نہ آئے اس رنگ میں خرچ کرو لیکن اگر تم اس رنگ میں خرچ کرتے ہو تو پھر اس بات کے بھی مجاز ہو کہ کھلم کھلے تحائف بھی پیش کرو کیونکہ بسا اوقات دنیا کی تحریص کی خاطر بعض خرچ کھلے کھلے کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے بعض دفعہ اعلانیہ چندوں کی تحریک کی جاتی ہے اور اعلانیہ چندہ دینے والوں کے نام لئے جاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی طریق اختیار فرمایا لیکن جو مخفی پہلو ہے وہ حفاظت کرتا ہے اعلانیہ کی۔ جو چھپی ہوئی نیکی ہے وہ ظاہر نیکی کی حفاظت کرتی ہے اور ضامن بن جاتی ہے اس بات پر کہ خدا کو یہ قبول ہوگی کیونکہ اس کے اس بندے نے دنیا کی نظر سے غافل محض چھپ کر کبھی راتوں کے اندھیروں میں، کبھی مخفی طریق پر رضائے باری تعالیٰ کی خاطر خرچ کئے ہوئے ہیں۔ پس یہ عبادی کا جب خطاب فرمایا تو اس کی طرف توجہ دلا دی کہ دیکھو سر کے پہلو کو بھلانا نہیں۔ کھلی قربانیاں بھی پیش کرنا مگر ایسی مخفی قربانیاں بھی ضرور پیش کرنا کہ اس سے یقین ہو جائے کہ تم محض محبت کی خاطر کر رہے ہو اور خدا کی محبت کی خاطر کر رہے ہو، پھر اس کا جواب بھی اسی طرح ملے گا۔

اور یہ جو جواب ہے میں ضمناً آپ کو بتا دوں اس کا ایک بہت گہرا تعلق انسان کے ہاتھ سے رونما ہونے والے اعجازوں سے ہے۔ بسا اوقات ایک انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ خاص اعجاز کا سلوک فرماتا چلا جاتا ہے اور دنیا نہیں سمجھتی کہ کیوں ایسا ہو رہا ہے۔ کوئی اس کی نیکی ایسی خاص دکھائی نہیں دیتی، نمازیں بھی اسی طرح پڑھتا ہے جیسے دوسرے لوگ پڑھتے ہیں، قربانیاں بھی اسی طرح دیتا ہے جیسے دوسرے لوگ دیتے ہیں مگر ایک مخفی ہاتھ اعجاز کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ وہ سویا ہوا بھی ہو تو اس کے لئے اس کا خدا جاگتا ہے اور اس کی تائید فرماتا ہے۔ اس کا راز اس بات میں ہے کہ مخفی طور پر اللہ سے محبت کے ایسے اظہار کرتا ہے جس میں خدا کی نظر کے سوا اور کوئی نہیں دیکھتی۔ تو اللہ بھی مخفی پیار کرتا

ہے اور مخفی پیار کا مطلب ہے دنیا کو پتا ہی نہیں کہ پیار ہے کیوں اور اندر اندر پیار کے رشتے چل رہے ہیں۔ وہ اظہار دیکھتے ہیں تو تعجب میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن وہ باتیں نہیں دیکھتے جو اس مخفی پیار کو پیدا کرنے کا موجب بنیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون پر ایک اور رنگ میں روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ خارق عادت باتیں تو لوگ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عادت کے خلاف ایک نمایاں طور پر اعجاز دکھایا، عادت سے مراد روزمرہ کا قانون قدرت ہے، قانون قدرت کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بالا قانون کو جاری فرما دیا اور یہ نہیں سوچتے کہ ایسا کیوں ہوا۔ فرمایا تم اگر اللہ تعالیٰ سے خارق عادت تعلق پیدا کرو گے تو لازم ہے کہ اللہ تمہارے لئے خارق عادت نشانات دکھائے۔ پس انبیاء کے لئے جو ایسے اعجاز دکھائے جاتے ہیں جن کا حل محض قانون قدرت کے سمجھنے میں نہیں بلکہ قانون قدرت سے بالا قوانین ہیں جو خارق عادت ہیں یعنی عام قانون سے ہٹ کر ہیں، ان کے اجرا سے تعلق ہے۔

پس جو بندہ روزمرّہ کے دستور کے مطابق عبادات کے حق بجالانے کے علاوہ کچھ اور ایسے رنگ بھی رکھتا ہے جو عام انسانوں کی عادتیں نہیں ہیں۔ ان سے بڑھ کر، ان سے الگ ہو کر اللہ سے تعلق قائم کرتا ہے اور اس کے لئے قربانیاں پیش کرتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ خارق عادت اعجاز نمائی کی یہ وجہ ہے کیونکہ اللہ سب سے زیادہ شکرگزار ہے، سب سے بڑھ کر شکر ادا کرنے والا ہے حالانکہ کوئی بھی ایسا وجود نہیں ہے جو اللہ کو ممنون کر سکے مگر اس کے شکر کے انداز نرالے ہیں۔ وہ دراصل احسان کا دوسرا نام ہے۔ حد سے بڑھا ہوا محسن جو ہے وہ چھوٹی سی بات پر بھی جو اس کو درحقیقت فائدہ نہیں پہنچاتی بلکہ ایک بے ضرورت سا اضافہ ہے اس کے تصرف میں، اس پر بھی اتنا زیادہ ممنونِ احسان ہو جاتا ہے کہ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کو اچھا بدلہ دے، پس ویسے ممنون نہیں ہوتا۔ ایک بادشاہ کو برگِ سبز کا تحفہ دے دیں تو اس کو ویسے ممنون ہونے کی وجہ ہی کوئی نہیں۔ سارا ملک ہی اس کی ملکیت کی طرح کا ہے اور بے شمار خزانے، بے شمار ضرورت کی ہر قسم کی چیزیں مہیا لیکن بعض دفعہ تحفہ دینے والا ایک غریبانہ تحفہ پیش کرتا ہے اور اس کو انعامات کی خلعتوں سے نوازتا اور بے حد اس کے اس جذبے کو قبول کرتے ہوئے اس سے پیار اور تعلق کا اظہار کئی رنگ میں

کرتا ہے حالانکہ بات بیچ میں کچھ بھی نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ جذبہ جو پیچھے کارفرما ہے، تحائف کی کنجی اس جذبے میں ہے۔ وہ جذبہ اگر خارق عادت ہوگا تو تحائف کی شکل بھی خارق عادت ہو جائے گی اور وہ مخفی جذبہ نیت سے تعلق رکھتا ہے اس اندرونی فیصلے کے حالات سے تعلق رکھتا ہے جن حالات میں ایک شخص نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ وہ حالات اگر ایسے ہوں کہ بظاہر ایک انسان توفیق نہ پاتا ہو کچھ پیش کرنے کی اور سوچوں کے بعد آخری دل کی نیت یہ فیصلہ کرے کہ جو کچھ بھی ہے میں خدا کی خاطر یہ ضرور کروں گا۔ یہ چونکہ خارق عادت فیصلہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس سے پھر خارق عادت طریق اختیار فرماتا ہے۔

لیکن خارق عادت سے پہلے احسان کا مضمون ہے اور یہ جو میں نے ابھی آیت آپ کے سامنے رکھی ہے اس میں احسان ہی کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ کہ بعض لوگ ہیں جو احسان سے کام لیتے ہیں۔ اپنی چیزوں کو، اپنی قربانیوں کو حسین بناتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اب فرمایا سِرًّا وَّعَلَانِيَةً اور سِرًّا کا مضمون میں بیان کر رہا ہوں کہ جو مخفی ہے اس میں خارق عادت باتیں پائی جاتی ہیں۔ جو اعلانیہ ہیں ان میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لئے اپنی مخفی قربانیوں کی حفاظت کریں اور ان پر نظر رکھیں اور ان کو پہلے سے بڑھ کر خوب صورت بنانے کی کوشش کرتے رہیں اور یہ وہ چیز ہے جو اس دن کام آئے گی۔ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ جس دن نہ کوئی تجارت کام آئے گی نہ کوئی دوستی کسی کے کام آئے گی۔

قیامت کے دن بھی بعض ایسے فیصلے ہوں گے جن کی لوگوں کو سمجھ نہیں آئے گی۔ قیامت کے دن بھی کچھ ستاری کے ایسے اظہار ہوں گے جن کی دنیا کو سمجھ نہیں آئے گی۔ بظاہر یوں لگے گا کہ خدا تعالیٰ نے یونہی بعضوں کو چن لیا ہے۔ ستر ہزار جو بے حساب امت محمدیہؐ میں بخشے جائیں گے یا امت محمدیہؐ میں جو خوش نصیب ستر ہزار کی تعداد میں بخشے جائیں گے یہ وہی لوگ ہیں۔ بے حساب ہیں ان کے اعمال نامے سے پردہ اٹھایا ہی نہیں جائے گا۔ کسی کو بتایا ہی نہیں جائے گا کہ نیکیاں کتنی تھیں بدیاں کتنی تھیں اور صرف یہ اعلان ہوگا کہ بخشے گئے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ویسے تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے بخشے، کسی دلیل کا محتاج نہیں مگر چونکہ حکیم ہے اس لئے مخفی در مخفی حکمتیں ضرور کارفرما

ہوتی ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ محض ملکیت کے اظہار کی خاطر کر دے اور اس میں مخفی حکمت کوئی نہ ہو۔ حکمت سے عاری خدا کا کوئی فیصلہ نہیں۔ پس میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کا بھی مخفی قربانیوں سے تعلق ہے۔ کچھ باتیں انہوں نے ایسی چھپا کر خدا کی خاطر کی ہیں، اس کی محبت جیتنے کے لئے کچھ ایسے انداز اختیار کئے جو اللہ جانتا ہے یا وہ جانتے ہیں۔ اس لئے قیامت کے دن بھی اللہ سب سے زیادہ شکور بن کر ان پر ظاہر ہوگا۔ کسی کو نہیں بتائے گا کہ کیا بات ہے۔ جس طرح انہوں نے چھپائی اپنی محبت، اللہ اس محبت کو ایسے رنگ میں چھپائے گا کہ دنیا پر ظاہر تو ہوگی مگر سمجھ نہیں آئے گی کہ کیا وجہ ہے کیوں ان لوگوں سے ایسا احسان کا سلوک ہو رہا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض خاص ادائیں خدا کی محبت کی اس کو پسند آتی ہیں جبکہ ایسا شخص بعض دفعہ بدیوں میں بھی مبتلا ہوتا ہے، کمزوریوں کا بھی شکار ہوتا ہے۔ پس وہ بے حساب لوگ جو ہیں عین ممکن ہے کہ ان میں ایسے لوگ شامل ہوں جن کی بعض نیکیاں اتنی خالص تھیں، بعض ادائیں اللہ کو اتنی پیاری تھیں کہ ان کی بدیوں سے صرف نظر کرنے کا فیصلہ فرما لیا گیا۔ وہ کھاتے اگر کھل کر پیش کر دیئے جاتے تو خدا کے احسان میں ایک قسم کی کدورت داخل ہو جاتی۔ وہ کہتے اللہ نے بخشا تو ہے مگر سب کو بتا کے بخشا ہے کہ یہ تھا۔ اس لئے ان کو بخشا گیا ہے ایسے انداز میں کہ کسی کو کچھ پتا نہیں کہ کھاتے کے اندر کیا چیز تھی۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ اسی حساب کتاب کے مضمون میں یہ بھی فرماتے ہیں، یہ ایک انداز ہے ویسے تو خدا کا نہ جسم ہے نہ اس کے کان ہیں ایسے، مگر اظہارِ بیان کا ایک طریق ہے جسے انسان سمجھ سکتے ہیں۔ فرمایا، بعض ایسے بندوں کو بلا کر ان کے کان میں بات کرے گا کہ دیکھو یہ بات ہے میں تجھے بخش رہا ہوں۔ تو یہ پیار کے انداز ہیں اور منعکس ہو رہے ہیں، اصل میں دل سے اٹھے ہیں وہ انداز اور خدا تعالیٰ کے احسان کے آئینے سے منعکس ہو کر بہت زیادہ خوبصورت بن کر بہت زیادہ دلکش ہو کر اور روشن تر ہو کر پھر وہ قیامت کے دن جزاء کے طور پر پیش کئے جائیں گے۔

پس یہ جو قرآن کریم فرماتا ہے سِرًّا وَّجَهْرًا ساتھ اس کے یہ بھی فرماتا ہے کہ یہ لوگ جو اس طرح خرچ کرنے والے ہیں یہ دوسرے لوگوں کے برابر ہو نہیں سکتے، ان کا وجود ایک مختلف وجود ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو کھولتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ (النحل:76)

کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرماتا ہے جو خود مملوک ہے۔ یہاں محض عبد نہیں کہا گیا بلکہ مملوک لفظ ساتھ شامل کر کے جو خرچ کا مضمون چل رہا ہے اس کے ساتھ اس کے تعلق کو دوہرے طور پر باندھ دیا گیا ہے۔ لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ کسی چیز پر بھی وہ قادر نہیں ہے۔ کیا اس کی مثال اس جیسی ہوسکتی ہے وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ اس کی بھی مثال پیش فرمارہا ہے اللہ، جسے کہتا ہے ہم نے رزق عطا فرمایا حَسَنًا بہت خوب صورت رزق تھا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ پھر وہ اس میں سے خرچ کرتا ہے۔ سِرًّا وَّ جَهْرًا مخفی طور پر بھی اور ظاہر کرتے ہوئے بھی هَلْ يَسْتَوٗنَ بھلا یہ ایک جیسے ہوسکتے ہیں۔

اب یہ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا کا اس مضمون سے کیا تعلق ہے۔ ایک غلام تو بے اختیار ہے وہ خرچ بے چارہ کر ہی نہیں سکتا اس کا کیا قصور ہے اور اس کے مقابل پر جو آزاد ہے اس کے خرچ کی اتنی تعریف کیوں کی جارہی ہے؟ اگر عام سرسری نظر سے یہ آپ پڑھتے رہیں قرآن کریم تو بہت سے ایسے مسائل ہیں جو کبھی بھی آپ پر حل نہیں ہوں گے۔ جہاں تعجب کی بات ہے وہاں ٹھہرنا چاہئے غور کر کے سمجھنا چاہئے کہ ضرور کوئی مخفی پیغام ہے۔ دراصل یہاں عَبْدًا مَّمْلُوْكًا سے مراد واقعۃً غلام نہیں ہیں بلکہ وہ جو اپنی دولت کا غلام بن جاتا ہے جو شیطان کا بندہ ہو کر خود اپنی ہی دولت کا غلام بن جاتا ہے اور اس کے تصرف سے اس غلامی کے نتیجے میں وہ دولت نکل جاتی ہے۔ وہ شخص جو حد سے زیادہ مال سے محبت کرنے والا ہو وہ مال کی زنجیروں میں ایسا جکڑا جاتا ہے کہ بسا اوقات اپنی اولاد کو بھی محروم کر دیتا ہے اور میرے سامنے بارہا ایسے واقعات آئے ہیں۔ اولاد ہے جس میں سے بعض تو اس مقام پر پہنچ گئے کہ اپنے باپ پر لعنتیں ڈالنے لگے کیونکہ ماں کو بھی ساری عمر اس ظالم نے ہر نعمت سے محروم رکھا اور اولاد کو بھی ہر نعمت سے محروم رکھا۔ وہ سڑکوں پر غریبانہ فاقوں کی زندگی بسر کرنے والے اور باپ ہے جو دولت اکٹھی کئے جارہا ہے۔ ان کو سمجھاتا ہوں کہ دیکھو پھر بھی اف نہیں کرنا لیکن سمجھتا بھی ہوں کہ وہ ماحول بڑا ہی صبر آزما ہوگا جس میں آئے دن وہ اپنی ماں کو ذلیل ہوتا

ہوا دیکھتے ہیں۔ باپ میں توفیق ہے، مال جمع کر رہا ہے، جائیدادیں بنا رہا ہے مگر اتنی توفیق نہیں ہے کہ اس کو خود اپنی ہی اولاد کے لئے خرچ کر سکے۔ تو یہ وہ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ہے جس کا ذکر چل رہا ہے غلام ہے، پیسے ہیں لیکن خود اپنی ہی دولت کا غلام بن کر مملوک بن گیا ہے، مالک نہیں رہا۔ تو وہ دولت مند جو مالک ہی نہ ہو اس پر کس کو حسرت ہو سکتی ہے، کس کو اس پر رشک آ سکتا ہے وہ تو قابل رحم ہستی ہے ایک۔ دیکھنے میں مالک مگر عملاً مملوک تو مالک کے مقابل پر لفظ مَّمْلُوْكًا کو رکھ کر اس مضمون کو کھول دیا گیا کہ مالی معاملات کی بات ہو رہی ہے یاد رکھنا بعض لوگ مالک ہوتے ہی نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ بڑے امیر لوگ ہیں۔ ان کی امارت کیا خاک ہے کہ جو اپنوں پر بھی کچھ خرچ نہ کر سکیں، اپنی ضرورت بھی پوری نہ کر سکیں اور ایسے ایسے کنجوسوں کے متعلق لطیفے بھی ہیں مگر واقعۃً ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ ایک ایسے کنجوس کا کسی اور ایسے کنجوس کے ساتھ اپنی کنجوسی کے متعلق مقابلہ شروع ہوا۔ وہ اس کنجوسی کو اپنی عقل اور فراست کا نشان سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ تاجر ہو تو ایسا ہو۔ تو اس نے کہا تم کیسے خرچ کرتے ہو۔ اس نے کہا میں تو بہت ہی احتیاط کرتا ہوں، روٹی چپڑنے کی تو کبھی توفیق نہیں ملی میں تھوڑا سا گھی ذرا سا لگا کے ایک لقمے کو اس کو ساری روٹی پر پھیرتا رہتا ہوں یہاں تک کہ ساری روٹی پہ مجھے خیال ہو کہ گھی لگ گیا ہے پھر میں مزے لے لے کے وہ کھاتا ہوں۔ تو دوسرے نے کہا تم بڑے خراچ ہو، ایسا نہ کیا کرو۔ میں نے تو گھی رکھا ہوا ہے روٹی دکھاتا ہوں اس کو اور کھا لیتا ہوں۔ یہ مَّمْلُوْكًا ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے۔ عبد بھی ہیں، غلام ہیں نفس کے اور مملوک بھی ہیں اپنی ملکیت کے خود مَّمْلُوْكًا بن چکے ہیں۔ جس کے مالک تھے وہ ان کا مالک بن گیا، یہ ہے مضمون جو مملوک کا لفظ آپ کو دکھا رہا ہے۔ لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ جن کے پاس ہے، ہی کچھ نہیں خرچ کرنے کو، ان کو طاقت کیا ہے کسی چیز کی۔ وہ مال جو طاقت بنے وہ ہے جو رعب داب کا یا دنیاوی فوائد کا موجب بنا کرتا ہے۔ ایسے لوگ نہ اس مال سے سیاست خرید سکتے ہیں، نہ دنیا کے مراتب خرید سکتے ہیں، نہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، نہ لوگوں کے فائدے کے سامان کر سکتے ہیں۔ تو فرمایا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ایسا مملوک جس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہا ہو۔

وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا اور مثال دیکھو کہ اسے ہم نے رزقِ حسنہ عطا فرمایا ہے۔ یہاں وہ مضمون نہیں ہے کہ کم ہونے کے باوجود خرچ کرتا ہے۔ یہاں ایک اور مضمون نکالا گیا ہے

کیونکہ یہاں ایسے ایک مالدار کا دوسرے مالدار سے مقابلہ دکھایا جا رہا ہے۔ دنیا کے لحاظ سے دونوں ہی دولت مند ہیں اس لئے رزقِ حسنہ کی بات ہونی چاہئے تھی۔ ایک دولت مند دولت مند ہوتے ہوئے بھی فقیر ہو گیا، وہ مالک ہوتے ہوئے مملوک بن گیا آقا ہوتے ہوئے بھی غلام ہو گیا۔ دوسرا دولت مند ہے اسے رزق حسن عطا فرمایا ہے۔ پھر وہ کیا کرتا ہے سِرًّا وَّجَهْرًا خرچ کرتا ہے چھپ چھپ کے بھی اور ظاہراطور پر بھی۔ هَلْ يَسْتَوٗنَ کیا وہ ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ قرآن کریم کا طریق ہے جب بہت ہی شان دار مضمون بیان ہو تو اس کے بعد الحمد للہ بے اختیار اس آیت کا حصہ بن جاتا ہے۔ بڑا ہی قابل تعریف ہے وہ خدا جس نے یہ مضمون خوب کھول کر بیان فرمایا ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن حسرت کا مقام ہے کہ اکثر وہ لوگ جانتے ہی نہیں کہ کیا قصے ہیں، دولت کیوں دی جاتی ہے، اس کے استعمال کون سے ہیں جو دائمی فوائد پہنچانے والے ہیں، کون سے ہیں جو عارضی ہیں، کون سے ہیں جو ہلاکت کی طرف لے جانے والے ہیں۔ پس اللہ کی تعریف ہو، ہر تعریف اسی کے لئے ہے جو ان باتوں کو خوب کھول کر بیان کرتا ہے جب کہ حال یہ ہے اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

پھر ایسے بھی لوگ ہیں جو مالی قربانی کرتے ہیں مگر اس قربانی کو بوجھ سمجھ رہے ہوتے ہیں اور وہ قربانی ان کے کسی کام نہیں آتی۔ یعنی اب ایسے لوگوں کا ذکر فرما رہا ہے قرآن کریم جو خرچ کی توفیق تو پاتے ہیں مگر نیتوں کی خرابی کی وجہ سے ان کا خرچ ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ فرمایا وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا اعراب میں سے جو بدوی لوگ ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں مگر اسے چٹی سمجھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کیا مصیبت پڑ گئی ہے۔ یہ بھی چندہ دو، وہ بھی چندہ دو، وہ بھی چندہ دو اور کئی لوگ پھر بے چارے کئی نیک نیتی سے اور کئی گھبرا کر کہتے ہیں اتنے چندے ہو گئے ہیں ان کو سمیٹ سمٹا کر ایک بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہ بار بار کبھی یہ چندہ آ گیا، کبھی وہ چندہ آ گیا جس نے مجھے لکھا اس نے تو نیک نیتی سے لکھا مگر ان لوگوں کی آواز بھی مجھ تک پہنچا دی جو بے آواز ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہے تو چٹی اور مصیبت، مگر منہ سے کہہ نہیں سکتے۔ مگر ان سے پہلے قرآن یہ آواز پہنچا چکا ہے۔ فرمایا ایسے بدوی مزاج لوگ ہیں جب تم ان سے چندے مانگتے ہو، تو ہوتی مصیبت ہی ہے ان کے لئے اور ایسی مصیبت پڑی رہتی ہے بے چاروں کو

وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ وہ چاہتے ہیں تم پر بھی گردش ایام آ جائے اور مصیبت سے ان کو چھٹکارا نصیب ہو۔ ایسے لوگ ہی نہ رہیں جو یہ ہر وقت خدا کے نام پر مانگنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ سننے والا اس لئے کہ یہ جو بات کہہ رہے ہیں وہ بے آواز ہے۔ تو فرمایا ان کے دل کی آواز جو ابھی لفظوں میں نہیں ڈھلی، اللہ وہ بھی سن رہا ہے اور بعضوں کے خیالات لفظوں میں نہیں ڈھلے ہوئے ہوئے ان کو بھی اللہ جانتا ہے۔ بے آواز پیغامات کو بھی سن رہا ہے اور وہ پیغامات جو ابھی آوازوں میں یا لفظوں میں ڈھلے نہیں ان کو بھی دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے، اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔

اب آنحضرت ﷺ کے بعض ارشادات اسی مضمون سے تعلق میں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے بخاری کتاب الزکوۃ باب قول اللہ **فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی** ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ، ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے سخی کو اور دے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اور پیدا کر۔ دوسرا کہتا ہے اے اللہ روک رکھنے والے کنجوس کو ہلاکت دے اور اس کا مال ومتاع برباد کر۔

یہ جو فرشتے ہیں ان کی آواز کو سمجھنا چاہئے ورنہ ظاہری طور پر جو اس سے پیغام ملتا ہے وہ ضروری نہیں کہ ہم اس کو عملاً دنیا میں اسی طرح ہوتا دیکھیں۔ کیا ہر کنجوس کا مال برباد ہو جاتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بہت سے کنجوس ہیں جیسے قارون کا خزانہ تھا وہ جمع ہی ہوتا چلا گیا۔ بالآخر کسی زمانے میں جا کر برباد ہوا تو وہ ایک الگ قصہ ہے لیکن روزمرہ کے طور پر ہم خرچ روکنے والوں کو امیر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ فرشتے اتر کر اس کو ضرور بدحالی کی بددعا دیتے ہیں اس کا وہ مضمون نہیں ہے جو ظاہراً سن کر سمجھ میں آتا ہے۔

درحقیقت جو مال خدا کے رستے سے روکا جائے وہ ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے اور روحانی ہلاکت ہے جو پہلے پیش نظر ہے۔ ہر ایسا شخص روحانی طور پر ہلاک ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی اولادیں ضائع ہو جاتی ہیں، ایسی مصیبتیں گھیر لیتی ہیں کہ ان کا کوئی علاج اس کو سمجھ نہیں آتا اور آخری صورت میں ہر ایسے شخص کی دولت ایک لعنتی دولت ثابت ہوتی ہے جو نہ

اس کو کوئی فائدہ پہنچا سکی نہ اس کی اولاد کو اور تسکین قلب سے وہ لوگ محروم رہ گئے ۔ کئی ایسے لوگ آئے دن خبروں میں پتا چلتا ہے بڑے بڑے متمول لوگ خودکشی کر کے مر جاتے ہیں ۔ ابھی انگلستان ہی میں پچھلے چند سال ہوئے وہ شخص جو امیر ترین اور اخبارات کے اوپر بھی بہت زیادہ مؤثر انسان تھا، غیر معمولی اثر رکھتا تھا، وہ ایک عیش و عشرت کے ٹرپ پہ Yacht میں یعنی سمندری کشتی میں جو بہت ہی زیادہ عیاشی کے سامانوں سے مزین تھی اس میں بظاہر سیر کے لئے نکلا ہے اور خودکشی کر کے مر گیا ۔ بعد کے حالات سے پتا چلا کہ وہ دیکھنے میں تو بہت کچھ تھا لیکن اس کے اموال بھی ختم ہو چکے تھے، اس کی خوشیاں بھی جاتی رہی تھیں اور جب آخری حساب کتاب ہوئے تو پتا چلا کچھ بھی اس کا نہیں رہا ۔ تو خدا کی تقدیریں مخفی طور پر روحانی لذتیں بھی ایسے بدنصیبوں کی لوٹ لیتی ہیں اور مالی طور پر بھی بالآخر نقصان پہنچ جاتے ہیں ۔ مگر وہ نہ بھی پہنچیں تو ہلاکت کی دعا ان معنوں میں ضرور پوری ہوتی ہے کہ اپنی دولت کے مقاصد حاصل کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں ۔

پس دو قسم کے بدنصیب ہیں ایک وہ جو دولت ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی، اسی دولت کے غلام بن جاتے ہیں اور مالک کی بجائے مملوک ہو جاتے ہیں ۔ کچھ ہیں جو خرچ کرتے ہیں مگر دنیا پر خرچ کرتے ہیں اور ان کا خرچ انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور ان کو کوئی تسکین نہیں بخشتا اور پھر وہ ہیں جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں ان کے اموال کے بڑھنے کی دعا کی گئی ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کو آج دنیا میں سب سے زیادہ جماعت احمدیہ جانتی ہے ۔ خرچ کرنے والوں کے حق میں جو فرشتے دعائیں دیتے ہیں حیرت انگیز طور پر پوری ہوتی ہیں ۔ ایک تو عمومی صورت میں دن بدن جماعت کے اموال بڑھتے چلے جاتے ہیں ۔ اتنی برکت مل رہی ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے دیکھ کر اور دوسرے وہ خاندان جن کے بزرگوں نے قربانیاں دیں میں بارہا آپ کو بتا چکا ہوں انہیں کا فیض ہے کہ اب ان کی اولادوں کے رنگ بدل چکے ہیں اللہ کے فضل کے ساتھ ۔

پھر انفرادی طور پر آئے دن میرے سامنے مثالیں ملتی ہیں کہ یہ موقع تھا یہ رقم تھی ہم نے سوچا کہ فلاں مقصد کے لئے جس کی خاطر رکھی گئی تھی وہیں خرچ کریں یا اب موقع ہے دین کے لئے خرچ کر دیں ۔ وہ مخفی فیصلے کا وقت تھا اس وقت انہوں نے سوچا کہ دیکھا جائے گا خرچ کر دیتے ہیں ۔ اب خدا تعالیٰ تو بڑھا کر دیتا ہے مگر جہاں یہ دکھانا ہو کہ میں نے دیکھ لیا وہاں بعینہٖ اتنے دیتا ہے جتنے

خرچ کئے تھے اور یہ پہلا قدم ہے صرف یقین دلانے کی خاطر۔ اگر پانچ ہزار ایک سو خرچ کیا تو اچانک ایسی جگہ سے پانچ ہزار ایک سو ہی ملے گا جو یہ پیغام دے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا ہے، تو نے دیا تھا یہ تو اپنا واپس لے لے اور باقی حساب بعد میں چلے گا جو مزید فضلوں کا حساب ہوگا اور پھر آتا وہاں سے ہے جہاں کسی کا ذہن جا ہی نہیں سکتا۔ مدتوں پہلے کوئی تجارت کی، وہاں حساب میں کوئی غلطی ہوگئی، سالہا سال تک اس کمپنی نے توجہ نہ کی آخری حساب فہمی ہوئی تو اتنے روپے مل گئے جتنے روپے اس شخص نے ایک دن پہلے یا ان کی اطلاع ملی جو ایک دن پہلے اس نے خدا کی خاطر پیش کئے تھے اپنی مجبوریوں کے باوجود، اپنی ضرورتوں کے پیٹ کاٹ کر۔ تو اللہ تعالیٰ جب اتنے ہی دیتا ہے تو یہ مراد نہیں ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے دس گنا کا وعدہ پورا نہیں کیا یا ستر گنا کا وعدہ پورا نہیں کیا۔ جو مزہ اتنے میں ہے وہ ہزاروں لاکھوں میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ بعینہٖ اتنا یہ اطلاع دے رہا ہے کہ میں نے دیکھ لیا ہے تم فکر نہ کرو۔ تم میری نظر میں ہو اور مجھے تمہاری یہ ادا پسند آ گئی ہے۔

تو جو مخفی قربانیوں کے مزے ہیں جو وہ جہاں ہے وہ چیز ہی اور ہے۔ وہ قربانیاں بعض دفعہ ظاہر بھی ہوتی ہیں میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے مجھے بھی مثلاً لوگ لکھتے ہیں لیکن وہ لمحے جو فیصلہ کن لمحے تھے وہ خالصۃً مخفی تھے وہ دنیا کے دکھاوے سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ پھر بعد میں وہ چندوں کی فہرست میں بھی آ جاتے ہیں، ان کو رسیدیں بھی کاٹ کے دی جاتی ہیں مگر ان کی مخفی نوعیت خدا کی نظر میں پھر بھی مخفی رہتی ہے کیونکہ یہ تو پھر اب نظام جماعت کے کاروبار ہیں اور اس نے کوئی نہ کوئی تو رسیدیں کاٹنی ہیں حساب رکھنا ہے۔ مگر فیصلہ کرنے والا جو عین خدا کی نظر میں راتوں کے وقت یا دوسرے اخفاء کے پردوں میں فیصلہ کرتا ہے اس کی قربانی خدا کے حضور مخفی ہی لکھی جاتی ہے اور اس لئے صبح کے وقت جو فرشتے اٹھتے ہیں وہ سب سے پہلے اس خرچ کرنے والے کو دعا دیتے ہیں جو لازماً راتوں کے وقت یا دوسرے اخفاء کے پردوں میں فیصلہ کرتا ہے اس کی قربانی خدا کے حضور مخفی ہی لکھی جاتی ہے اور اس لئے صبح کے وقت جو فرشتے اٹھتے ہیں وہ سب سے پہلے اس خرچ کرنے والے کو دعا دیتے ہیں جس نے لازماً راتوں کو بھی خرچ کیا ہو کیونکہ صبح کے فرشتوں نے تو دن کا حال دیکھا ہی نہیں اس سے میں استنباط کر رہا ہوں کہ راتوں کو کچھ دیکھی ہیں باتیں ان فرشتوں نے جو صبح کو آ کر ان کی نظر کے سامنے آتی ہیں تو کہتے ہیں اے خدا اس بندے کو بہت دے اور ان کے اموال میں پھر بہت

برکت عطا کی جاتی ہے۔

اور دوسری بات لطف کی یہ ہے کہ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس جیسے، ان کے نقش قدم پر اور بھی پیدا کر۔ یہ جو ”اور پیدا کر“ ہے اس کا تعلق میرے نزدیک جہری قربانی سے ہے اور ظاہری قربانی سے ہے۔ یہ قربانیاں جو رات کو کی جاتی ہیں مخفی طور پر کرنے والے کو اجر تو دے جاتی ہیں مگر لوگوں میں تحریص نہیں پیدا کرسکتیں، ان کو پتا نہیں چلتا۔ پس دن کے وقت پھر یہ لوگ جب چندوں کا حساب کرتے ہیں، رسیدیں دی جاتی ہیں، ان کے متعلق اعلان کئے جاتے ہیں بتایا جاتا ہے کہ خدا کے فضل سے فلاں جماعت کو، فلاں شخص کو غیر معمولی قربانی کی توفیق ملی تو فرشتوں کی دوسری دعا پوری ہو جاتی ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلنے والے اور بھی پیدا کر۔ چنانچہ بسا اوقات ایک شخص کا خواہ نام نہ بھی لیا گیا ہو، اس کی قربانی کا ذکر کیا گیا ہو، اسے اخفا میں رکھا گیا ہو مگر قربانی کی نوعیت بیان کر دی گئی ہو تو بڑی جلدی خدا دنیا میں ایک یا دو یا دس یا زیادہ کو تحریک کرتا ہے کہ ویسی ہی قربانی وہ بھی کریں۔ چنانچہ پچھلے جمعہ کے بعد جب میں گیا ہوں تو ایک فیکس آئی ہوئی تھی کہ میں نے یہ سنا تھا کہ اس قسم کے ایک شخص کا آپ نے ذکر کیا ہے میرے دل میں بھی تحریک پیدا ہوئی کہ میں بھی ویسا بنوں تو فرشتوں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں میں کثرت پیدا کرتا ہے اور اس کثرت کا تعلق اظہار سے بھی ہے حالانکہ نام کا اظہار نہیں مگر کسی خوبصورت قربانی کا اظہار لازم ہو جایا کرتا ہے تاکہ لوگ دیکھیں اور ان کے دلوں میں تحریص پیدا ہو۔ نہ وہ اظہار دکھاوے کی خاطر ہوتا ہے نہ وہ تحریص دکھاوے کی کسی نیت سے تعلق رکھتی ہے اور وہ جو نیتیں بناتے ہیں وہ بھی خالصۃً اللہ کے لئے اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کے لئے یہ فیصلہ کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ”دنیا میں انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے اسی واسطے علم تعبیر الرؤیا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے جگر نکال کر کسی کو دیا ہے تو اس سے مراد مال ہے۔۔۔“۔

یعنی مال ہم تو عام محاورے میں کہتے ہیں اولاد جگر گوشے ہیں انسان کے، مگر علم التعبیر کی رو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دیکھے کہ جگر دیا ہے تو مراد مال ہے اور

ایک اور تعبیر میں ضمناً آپ کو بتا دوں کہ اگر دیکھے کہ گند میں ہاتھ ڈالا ہے، فضلے کو اکٹھا کیا ہے تو بڑی مکروہ تصویر ہے لیکن اس کی تعبیر مال ہوتا ہے اور بسا اوقات خوابیں جو مجھے لوگ لکھتے ہیں اس تعلق میں کبھی مال کے نقصان کی خبر دی جارہی ہوتی ہے کبھی مال حاصل کرنے کی مگر ساتھ یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ کوئی خاص عظیم الشان فضل نہیں ہے بلکہ فضل تب بنتا ہے جب یہ فضلہ رزقِ طیبہ، رزقِ حسنہ میں تبدیل ہو اور وہ رزقِ حسنہ میں تبدیل تب ہوتا ہے جب اپنی حیثیت مٹی میں مل کر کھو دیتا ہے اور پھر اس سے بیج نشو ونما پاتے ہیں اس سے ہری بھری تازہ فصلیں نکلتی ہیں تو جب اس مال کو جو فضلے کی طرح ہے، گندگی کی طرح ہے آپ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہو جاتی ہے جیسے ایک بیج سے ایک کونپل نکلے پھر اس میں سات شاخیں ہوں، سات بالیاں لگیں ہر شاخ میں اور ہر بالی میں سوسو دانے ہوں۔ تو وہ کیا چیز ہے جو اس نے خرچ کی تھی وہ یہی فضلہ یعنی دنیا کی دولت اس نے خرچ کی تھی اور وہ مٹی میں جا کر اس قدر برکت کا موجب بنی ہے کہ اس نے آگے ایک ایک دانے کو سات سات سو دانوں میں تبدیل کر دیا۔ تو تعبیر میں بھی بہت حکمت کی باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس تعبیر کا ذکر فرما رہے ہیں اس کا جگر سے تعلق ہے فرماتے ہیں:

> ''۔۔۔یہی وجہ ہے کہ حقیقی اتقاء اور ایمان کے حصول کے لئے فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ حقیقی نیکی کو ہرگز نہ پاؤ گے جب تک تم عزیز ترین چیز نہ خرچ کرو گے۔ کیونکہ مخلوق الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے اور ابنائے جنس اور مخلوق الٰہی کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے جو ایمان کا دوسرا جزو ہے۔۔''

ایمان کا اول جزو تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسی کا ہو رہنا ہے اور دوسرا جزو بنی نوع انسان کی ہمدردی ہے اور ان کے لئے خرچ کرنا ہے فرماتے ہیں۔

> ''۔۔۔جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لئے ایثار ضروری شے ہے اور اس آیت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے''۔

یہاں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عارفانہ کلام کے حوالے سے ایک اور وضاحت کرنی چاہتا ہوں۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دنیا میں سخت کنجوس رہتے ہیں ایک پیسہ بھی کسی دوسرے پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ہوتے مگر دینی معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں۔ بعض تجارتی قوموں میں یہ رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔ ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں، اتنی تفصیل سے ذکر کرنا بھی مناسب نہیں کہ بعض لوگوں کو پتا لگ جائے کہ کن کی باتیں کر رہا ہوں۔ مگر اتنا مانیں کہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے دامادوں تک پر بھی خرچ کے روادار نہیں، اپنی بیٹی کو بھی تنگی میں رکھتے ہیں مگر دین کی خاطر بعض دفعہ بڑے بڑے خرچ کرتے ہیں اور آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ ان کی کنجوسی دراصل یہاں بھی ظاہر ہو رہی ہے کیونکہ یہ نفسانیت کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ وہ اپنا سارا مال اپنے لئے رکھنا چاہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ کو دیں گے وہ ہمارا ہی رہے گا وہ کسی اور کو نہیں ملتا۔ پس یہ بھی ایک نفسانفسی کا ہی عالم ہے اور یہ نفسانیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ غریبوں پر خرچ ویسے نہیں کرتے، روزمرہ ضرورت مند پہ خرچ نہیں کرتے، ایتاء ذی القربیٰ کا حکم ہے، اقرباء پر خرچ نہیں کرتے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ایمان کا اول تقاضا تو یہی ہے کہ اللہ کی خاطر انسان خرچ کرے مگر ایمان کے دوسرے تقاضے کو نہ بھولنا۔ وہ لازم کرتا ہے کہ خدا کے بندوں پر بھی خرچ کرو۔ پس ایسا شخص کسی معنی میں بھی حریص کنجوس نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاءؑ میں سے ایک مثال بھی نظر نہیں آئے گی جو خدا کی خاطر خرچ کرنے کے بہانے بنی نوع انسان سے فوائد روک لیں۔ وہ اپنی بیویوں پر خرچ کرتے ہیں، اپنی اولاد پر بھی خرچ کرتے ہیں، روزمرہ آنے والے کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں اور پھر اللہ پر بھی خرچ کرتے ہیں اور اللہ کی خاطر اول طور پر خرچ کرتے ہیں، زیادہ محبت اور ولولے اور جوش سے خرچ کرتے ہیں۔ ان کا ہر دوسرا خرچ بھی اللہ کا خرچ بن جاتا ہے۔ ہر وہ خرچ جو بنی نوع انسان کی ہمدردی میں کرتے ہیں وہ اول تو ان کو متوازن بناتا ہے اور ان کو حقیقی طور پر اللہ کی طرف سے اکرام عطا ہوتا ہے لیکن یہ ان کی نیت میں نہیں ہوتا یہ اللہ کا انعام ہے محض۔

دوسرے یہ کہ یہ توازن ہے جو دراصل مذہب کی جان ہے۔ صراط مستقیم اسی توازن کا نام ہے۔ نہ ایک طرف زیادہ جھکاؤ ہے نہ دوسری طرف زیادہ جھکاؤ ہے۔ متوازن زندگی ایسی ہے کہ اللہ

کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق دونوں ادا ہو رہے ہیں اور ان کے درمیان ایک حسین توازن پایا جاتا ہے۔ یہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں۔ پس مِمَّا تُحِبُّوۡنَ میں اللہ کے خرچ ہی شامل نہیں، بنی نوع انسان کے خرچ بھی شامل کر دیئے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے۔ محبت تو اموال سے ہے مگر ایسی محبت نہ ہو کہ اپنی خاطر ہی خدا کو دیئے جاؤ کہ تمہیں پتا لگے کہ آئندہ ہماری تجوری میں پڑے گا سب کچھ بلکہ اس کے بندوں کا خیال کرو، دل نہیں بھی چاہتا تو بنی نوع انسان کی ہمدردی میں کچھ مال ان کو دے دو، چلیں نہ سہی چندہ مگر اچھے کام پر ہی خرچ ہوا ہے نا۔ یہ تمہاری تربیت کا موجب بنے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ پسند کرتا ہے کہ تم ہر طرف کے حقوق ادا کرو بجائے اس کے کہ ایک ہی طرف جھک جاؤ کیونکہ ایک طرف جھکنا اور اللہ کی محبت اکٹھے چلتے نہیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دراصل ایک طرف جھکنا نفسانیت سے پردہ اٹھا رہا ہے نہ کہ محبت الٰہی سے کیونکہ محبت الٰہی کرنے والوں کو ہم نے کبھی ایک طرف جھکتے نہیں دیکھا۔ بہت پیار کرنے والی طبیعتیں، ہر ایک کا خیال رکھنے والے جیسے رحمان بندوں میں حضرت رسول اللہ ﷺ تھے، آپؐ کی یادوں کے تذکروں میں سبھی بتاتے ہیں کہ ہم زیر احسان رہے۔ پس یہ نہیں کیا کہ سارا خدا پر خرچ کیا یعنی نچوڑ نچاڑ کے ایک طرف دین کے لئے دے دیا اور بندوں کو فائدے سے محروم رکھا۔ مگر چونکہ کرتے محبت الٰہی میں تھے اس لئے ہر دوسرا خرچ بھی اللہ نے اپنے کھاتے میں ڈال دیا اور وہ خرچ جو انسان اللہ کے کھاتے میں ڈالتا ہے دراصل اپنے کھاتے میں ڈالنے کی خاطر، مجھے ڈر ہے کہ وہ اس کے کھاتے سے نکال کر اللہ کے کھاتے سے نکال دیا جائے گا اور اس میں بھی جو بظاہر نیکی ہے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ یہ ایک احتمال ہے جس کا ذکر کر رہا ہوں۔ اللہ بہتر جانتا ہے وہ زیادہ رحمان رحیم ہے ہوسکتا ہے ایسے لوگوں سے بھی صرفِ نظر فرمائے اور ان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے ان کی قربانیوں کے اچھے نتیجے نکالے۔ مگر اس مضمون نے جو مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا اس احسان والی آیت کا ایک اور مضمون بھی ہمیں سمجھا دیا۔

وَاَحۡسِنُوۡا کا مطلب ہے احسان کرو اور وَاَحۡسِنُوۡا کا وہ مطلب بھی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں، سجا کر پیش کرو، قربانیوں کو زیادہ اچھا بناؤ۔ مگر اس کے وسیع معنوں میں بنی نوع انسان پر احسان داخل ہے۔ پس ہرگز بعید نہیں کہ اس آیت کریمہ میں وَاَحۡسِنُوۡا سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ

چاہتا ہے کہ اس کی خاطر خرچ کرو مگر احسان کو نہ بھولنا۔ خدا کی خاطر خرچ کرنے والے ایسے محسن ہوتے ہیں کہ اس کی مخلوق پر بھی خرچ کرتے ہیں، ان کا بھی خیال رکھتے ہیں اور ایسے وسیع معنوں میں احسان کرنے والوں سے اللہ ضرور محبت کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مال کے خرچ کے ذکر میں آگے فرماتے ہیں

''جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لئے ایثار ضروری شئے ہے اور اس آیت میں لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے۔ پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔ (محک پتھر کی کسوٹی کو کہتے ہیں۔) ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ایک ضرورت بیان کی اور وہ کل اثاثہ البیت لے کر حاضر ہو گئے''۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 367-368)

آپؓ کی جو کسوٹی تھی محبت پر کھنے کی وہ یہ یہ آپ کے کردار کے نمونے دکھاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے دینی ضرورتوں کے لئے اموال کے خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی اور آپ کل اثاثہ البیت لے کر حاضر ہو گئے جو کچھ تھا سب سمیٹا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

پھر فرماتے ہیں:

''جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اس کی زندگی کا مدار اور معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے تب بخل کی پلیدی اس کے اندر سے نکل جاتی ہے''۔

یعنی مال کا خرچ جو بخل کی پلیدی کو نکالتا ہے وہ حقیقت میں وہ مال ہے جس پر اس کی محنت کو

بھی دخل تھا، عرق ریزی شامل ہوا اور وہ جانتا ہو کہ مال کس طرح کمایا جاتا ہے۔ پھر بھی خرچ کرتا ہے تو وہ جو مخفی پہلو بخیلی کے فطرت کے کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے ہیں، وہ سارے نکل کر باہر آ جاتے ہیں، باہر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”۔۔۔اور اس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے۔۔۔“

ایسے خرچ کرنے والے کے ایمان میں غیر معمولی طاقت آ جاتی ہے اور صلابت، چٹان کی طرح مضبوط ہو جاتے ہیں وہ۔ پھر کوئی چیز ان کو ٹلا نہیں سکتی، وہ اٹل ایمان بن جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں

”۔۔۔اور وہ دونوں حالتیں مذکورہ بالا جو پہلے اس سے ہوتی ہیں اور ان میں پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک چھپی ہوئی پلیدی ان کے اندر رہتی ہے۔۔۔“

مِمَّا تُحِبُّوْنَ ہی کی تعریف ہے مال جو کمایا گیا ہو یا جس کی ضرورت ہو جو اتنا اہم ہو کہ یوں لگے کہ یہ میرا سرمایہ ہے اگر میں نے خرچ کر دیا تو کچھ بھی نہیں رہے گا اور سرمائے کے نقصان کا خطرہ ہے۔ فرمایا جب یہاں انسان ہاتھ ڈال دیتا ہے اللہ کی محبت کے لئے تو تب حقیقت میں اس کے دل کی ہر پلیدی دور کر دی جاتی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کے متعلق خدا کا فتویٰ ہے کہ ہر قسم کی کنجوسی اور بخل سے پاک ہے اور وہ جو عظیم وعدے کئے جاتے ہیں وہ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں کئے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کے اخراجات جو ہیں فرماتے ہیں وہ ہوتے تو ہیں مگر ان میں یہ گہرائی نہیں پائی جاتی کہ اندر سے گہرے دبے ہوئے بخل کے گند کو نکال باہر پھینکیں۔

پھر فرماتے ہیں:

”۔۔۔اس میں حکمت یہی ہے کہ لغویات سے منہ پھیرنے میں صرف ترک شر ہے اور شر بھی ایسی جس کی زندگی کی بقاء کے لئے کوئی ضرورت نہیں اور نفس پر اس کے ترک کرنے میں کوئی مشکل نہیں“۔۔۔

فرماتے ہیں جو لغویات سے پرہیز کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھو کہ ہمیشہ بہت اچھے کام ہی کر رہے ہیں۔ اپنے نفس کو لغویات سے محروم رکھنا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ زندگی کی بقاء کے لئے

لغویات کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہوتی۔ پس بعض لوگ کنجوسی میں بھی ایسا کرتے ہیں یہ کوئی نیکی کی علامت نہیں ہے۔ یہ ترک شر ہے اور شر بھی ایسا جس کی زندگی اور بقاء کے لئے ضرورت نہیں اور نفس پر اس کے ترک کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔

”۔۔۔لیکن اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دینا یہ کسب خیر ہے جس سے وہ نفس کی ناپاکی جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل دور ہو جاتا ہے۔۔۔“ (روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 204)

تو میں امید رکھتا ہوں کہ ان تشریحات کی روشنی میں جماعت ہر جگہ اپنے اخراجات کے ان مخفی گوشوں پر نگاہ رکھے گی جن کا نیتوں سے تعلق ہے جن کا ایسے حالات سے تعلق ہے جن پر خدا آگاہ ہے یا قربانی کرنے والا آگاہ ہے۔ اگر ان نصیحتوں کو جو قرآن اور حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے لی گئی ہیں آپ غور سے سن کر احسان کا طریق اختیار کرنا شروع کریں گے تو غیر معمولی برکتیں حاصل ہوں گی اور آئندہ زمانے کی جتنی ضروریات جماعت کی بڑھ رہی ہیں ان سے بھی بہت زیادہ آسمان سے اترے گا۔ اتنا احسان اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قربانیوں کے نتیجے میں کہ جو اموال وہ عطا کرے گا وہ واقعۃً سنبھالنے مشکل ہوں گے لیکن خدا کرے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے وہ بڑھتے ہوئے اموال پھر خدا کے قدموں پر نچھاور کئے جائیں اور پھر وہ اس کثرت سے بڑھیں کہ ان کو سنبھالنا پھر مشکل ہو جائے۔ پھر نچھاور کریں اور پھر نچھاور کریں یہاں تک کہ خدا کی ساری کائنات ان خرچ کرنے والوں کی کائنات بن جائے۔ وہ عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا نہ رہیں بلکہ مالک کی ملکیت میں شامل ہو جائیں اور یہی وہ آخری مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، آنحضرت ﷺ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔ سب نبیوں میں ایک ہی نبی ہے جو مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ تک پہنچا ہے اور اس نے سب کچھ خدا کی خاطر قربان کر کے اس کی ہر ملکیت میں سے حصہ پالیا۔ پس اگر کسی نبی کو صفتِ ملکیت میں شامل سمجھا جا سکتا ہے تو حقیقی معنوں میں وہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پس ہمارے سردار ﷺ کو یہ زیبا ہے اور آپ ؐ نے کر کے دکھایا، ہم غلاموں کو بھی تو اس میں سے حصہ ملنا چاہئے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین